DOI-10.53571/NJESR.2021.3.12.10-23
{Received:19 November 2021/Revised: 10 December 2021/Accepted: 20 December 2021/Published: 29 December 2021}

1

ڈاکٹراسماء عزیز

صدر شعبۂ اُردو

ایم.ایچ. پوسٹ گریجویٹ کالج، مُرادآباد

سوؔدا کی قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ

مرزا محمد رفیع سوؔدا کو فیضِ خاص سے شاعری کا جو ملکہ عطا ہوا تھا وہ پوری آب و تاب کے ساتھ اردو کے مختلف اصناف میں ظاہر ہوا سوؔدا کی غیر معمولی شہرت اور مقبولیت کا ایک سبب یہ بھی تھا کہ انھوں نے غزل، قصیدہ، ہجو، مثنوی، رباعی، قطعات تمام اصنافِ سخن پر طبع آزمائی کی اور اپنی قادرالکلامی اور فن کاری کا لوہا منوایا۔ سوؔدا نے شعر گوئی کی ابتدا فارسی سے کی اور اس میں کافی مشق بہم پہنچالی تھی۔ فارسی کے بڑے عالم اور شاعر خان آرؔزو سے اصلاح لیتے تھے ایک دن انھوں نے سمجھایا کہ ہندوستان نے فارسی زبان کے بڑے بڑے شاعر پیدا کیے لیکن اہلِ زبان انھیں خاطر میں نہیں لاتے۔ ریختہ گوئی کا میدان خالی ہے اس میں نام پیدا کرو یہ بات دل کو لگی اور وہ اردو شاعری کی طرف متوجہ ہو گئے۔ اردو میں شاعری کا آغاز کیا تو فارسی کی مشق کام آئی ساتھ ساتھ فارسی میں بھی شعر کہتے رہے یہاں تک کہ ایک دیوان تیار ہو گیا۔ سوؔدا نے فارسی کے استاد شاعروں کا گہرا مطالعہ کیا اور خاص طور پر صائب، نظیرؔی، فغانی کے اثرات قبول کیے اور ان کو اپنی تخلیقی توانائی کے وسیلے سے اردو غزل میں سمو دیا۔ انھوں نے ایک طرف فارسی غزل کے مضامین و خیالات اور رموز و نکات کو اردو غزل میں منتقل کیا تو دوسری طرف فارسی روزمرہ محاورات کے اردو تراجم اور فارسی الفاظ و تراکیب کو اردو غزل میں شامل کر کے اس تنوع اور رنگارنگی اور لطافت پیدا کر دی۔ سوؔدا فارسی شاعری کو مثالی اور مالدار خیال کرتے تھے اس لئے ان کے یہاں بعض ایسے اشعار ملتے ہیں جو کسی فارسی شعر کا آزاد ترجمہ معلوم ہوتے ہیں جن میں خیال و مضمون تو فارسی کا لیکن لہجہ و اسلوب اردو کا ہے۔

سوؔدا کے یہاں حسن و عشق کا بیان متعدد اشعار میں ملتا ہے۔ سوؔدا کے نزدیک عشق کوئی واردات یا مابعد الطبیعاتی تصور نہیں ہے بلکہ خالص ارضی و مادی تجربہ ہے عشق ان کے نزدیک گوشت پوست کے دو وجود کے درمیان تعلق کی ایک مخصوص نوعیت کا نام ہے اس لئے ان کے یہاں ایسے اشعار کی کثرت ہے جن میں حسن محبوب اس کے ناز و ادا اعضائے جسمانی اور اس کے حرکات و سکنات کا بیان ہے۔ سودا کے بعض اچھے اشعار میں وارداتی یا مابعد الطبیعاتی عشق کا بیان ملتا ہے۔ سودا کے یہاں عاشق کی ہر مانصیبی، پراگندہ خیالی، وحشت و جنون اور یاس و حسرت کا مؤثر بیان ملتا ہے۔ دوسرے غزل

گوؤں کی طرح سوداؔ کے یہاں بھی دنیا کی بے ثباتی و نا پائداری کے ساتھ ساتھ دوسرے اخلاقی وصوفیانہ مضامین بھی ملتے ہیں لیکن ان میں ندرت وتنوع کا احساس ہوتا ہے اوران میں سوداؔ کے لب ولہجے کی جھلک صاف نظر آتی ہے۔فارسی شاعری کے اثر سے اورغزل کی روایت کے مطابق سوداؔ کے یہاں بھی شیخ، ناصح، زاہداور واعظ طنز کے مضامین ملتے ہیں۔چاہے حسن وعشق ہو یا سراپائے محبوب کا بیان، دنیا کی بے ثباتی و نا پائداری کا ذکر ہو یا دوسرے اخلاقی وصوفیانہ مضامین زاہد وشیخ کا تمسخراڑانا ہو یا مقدس ومحترم اشیاء وعقائد پرطنز سب کے بیان میں سوداؔ کے یہاں زور بیان اورقوت کا احساس ہوتا ہے۔سوداؔ نے ان روایتی اورفرسودہ بیانوں کواپنے بیان کے تنوع اورتخلیقی توانائی سے یکسر نیااورانوکھا شعری پیکر عطا کر دیا۔

سوداؔ نے اپنی غزلوں میں جوفنی طریقے بیان کیے ہیں ان میں سے ایک مکالماتی انداز بھی ہے ان کے یہاں خود کلامی کا انداز بہت کم ملتا ہے،خودکلامی کا یہ پیرایہ میرؔ کا امتیاز ہے۔سوداؔ کے یہاں دوکرداروں کی گفتگو کا انداز عام ہے۔بعض غزلوں کی ردیفیں ہی ان کے مکالماتی ہونے کی تصدیق کرتی ہیں مثلاً جوہواسوہوا، کچھ کہو، مت پوچھو وغیرہ۔

سوداؔ نے شعری وسائل میں سب سے زیادہ تشبیہ سے کام لیا ان کے یہاں عام طور پر تشبیہ کی بنیاد اوصاف یا کیفیات ہیں۔ان کے یہاں مرکب تشبیہ کی مثالیں زیادہ ملتی ہیں پروفیسر کلیم الدین احمد سوداؔ کے نادراوراچھوتے تشبیہوں کے قائل ہیں۔

سوداؔ کے بارے میں جب یہ کہا جاتا ہے کہ انھوں نے غزل کوقصیدہ کا شکوہ عطا کیا اس سے مراد یہ ہوتا کہ سوداؔ نے زبان وبیان اوراسلوب کی سطح پر تجربہ کیااورغزل کو بلند آہنگی اور جھنکار عطا کیا اس سلسلے میں پروفیسر کلیم الدین احمد لکھتے ہیں

> ''ان کی آواز بلنداور آہنگ ہے سوداؔ کی قادرالکلامی مثل روز روشن ہے ان کے کلام میں بے پایاں زور بھی ہے جو میرؔ و دردؔ کو میسر نہیں۔وہ اپنے خیالات کی اس زور وشور،اس تزک واحتشام سے ترجمانی کرتے ہیں کہ سامع مرعوب ہوجاتا ہے یہ ہنگامہ خیزی یہ طنطنہ کسی دوسرے شاعر کو نصیب نہیں''

سوداؔ نے تمثیل کو بھی ایک کامیابی شعری وسیلے کے طور پر استعمال کیا ہے حسن تعلیل کے علاوہ تلمیح، رعایت لفظی، تضاد، تجنیس اورلف ونشر صنعتوں کی مثالیں ان کے یہاں جابجا ملتی ہیں لیکن سوداؔ صرف صنعتوں کے استعمال کی غرض سے شعر نہیں کہتے بلکہ ان کے گہرے معنیاتی نظام سے وابستہ کرتے ہیں۔غرضیکہ سنگ لاخ زمینوں، مشکل بحروں اور قافیوں کا استادانہ استعمال، مضمون آفرینی، مبالغہ، پرشکوہ آہنگ، نادرونایاب تشبیہیں، ندرت کی حامل تمثیلیں واستعارے وغیرہ سوداؔ کے غزل

کے امتیازات ہیں۔

محمد رفیع سوداؔ کا وہ خاص میدان ہے جس میں ان کی طبیعت کی ہمہ گیری ذہن کی براقی زبان کی مشاقی اور تخیل کی بلندی کے جوہر پوری طرح کھل کر سامنے آئے انھوں نے فارسی کے استاد شاعروں کے قصائد کا مطالعہ کیا اور ان کی حیثیت زمین اور معیار کو بنیاد بنا کر قصیدے کی عظیم عمارت تعمیر کی اور قصیدے کو فارسی قصیدے کے معیار پر لا کر کھڑا کیا بقول محمد حسین آزادؔ

''وہ اس میدان میں فارسی کے نامور شہسواروں کے ساتھ عنان در عنان ہی نہیں گئے بلکہ اکثر میدانوں میں ان سے آگے نکل گئے ہیں۔ان کے کلام کا زور وشور انوری وخاقانی کو دباتا ہے اور نزاکتِ مضمون میں عرفی وظہوری کو شرماتا ہے''

سوداؔ نے صرف فارسی قصائد ہیئت موضوعات وروایت کی تقلید کی بلکہ فارسی کے استاد شاعروں مثلاً عنصریؔ، خاقانیؔ، انوریؔ، عرفیؔ وغیرہ کے مشہور زمین میں قصیدے لکھے ڈاکٹر جمیلؔ جالبی اور ڈاکٹر محمد ابوسحرؔ نے خاقانیؔ، انوریؔ، عرفیؔ اور سوداؔ کے ہم مضمون اشعار کو پہلو بہ پہلو رکھ کر بڑا عمدہ موازنہ کیا ہے۔اسی کامیاب تقلید کے پیش نظر مصحفیؔ نے سوداؔ کے قصیدے کو ''قصیدہ خاقانی کویم روا'' اور ''جواب قصائد عرفی'' کہا ہے۔

ممدوح کے اعتبار سے مدحیہ قصائد دو طرح کے ہیں

۱۔ وہ قصائد جو پیغمبر آسلام، حضرت علیؓ، حضرت فاطمہؓ، امام حسنؓ، امام حسینؓ، امام زین العابدین، امام محمد باقر، امام جعفر، امام موسیٰ کاظم، امام رضا، امام محمد تقی، امام حسن عسکری، امام مہدی آخر الزماں کی شان میں جذبۂ عقیدت سے سرشار ہو کر اور پورے خلوص کے ساتھ لکھے گئے۔

۲۔ وہ قصائد جو بادشاہوں، وزیروں اور امیروں کی مدح میں لکھے گئے۔ان قصائد کے ممدوح عالمگیر ثانی شاہ عالمؔ، آصف جاہ نظام الملکؔ، شجاع الدولہؔ، آصف الدولہؔ، سرفراز الدولہؔ، حسن رضا خاں، نواب سیف الدولہ احمد علی خاںؔ بسنت خاں خواجہ سراؔ، نواب مہرباں خاں رندؔ، حکیم میر محمد کاظم خاںؔ اور اودھ کے انگریز ریذیڈنٹ رچرڈ جانسنؔ ہیں ان قصائد میں بھی خلوص کی کارفرمائی نظر آتی ہے۔

یہاں مناسب معلوم ہوتا ہے کہ قصیدے کے مختلف اجزاء کو لے کر قصائد سوداؔ کے حسن وقبح پر روشنی ڈالی جائے اور ان کی روشنی میں سوداؔ کی قادر الکلامی اور فن کاری کا جائزہ لیا جائے۔قصیدہ کا پہلا شعر مطلع کہلاتا ہے۔مطلع کے لئے شرط

ہے کہ وہ بلند پایہ اور شگفتہ ہو۔اس میں کوئی نئی اور جدت آمیز بات نظم کی گئی ہوتا کہ سننے والا ہمہ تن گوش ہو جائے۔سوداؔ کے مطلعے ایسے شاندار اور شگفتہ ہیں کہ سامع اور قاری کی توجہ کو فوراً اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں مثلاً قصیدہ در نعت کا مطلع ہے

ہوا جب کفر ثابت ہے وہ تمغائے مسلمانی
نہ ٹوٹی شیخ سے زنار تسبیح سلیمانی

حضرت علیؓ کے ایک قصیدہ کا مطلع ہے

اٹھ گیا بہمن و دی کا چمنستاں سے عمل
تیغ اردی نے کیا ملک خزاں مستأصل

تشبیب مدح کی تمہید ہوتی ہے اور اس میں مضامین کے تنوع کی بڑی گنجائش ہوتی ہے سوداؔ نے اس میں اپنے فن کا کمال دکھایا ہے۔سوداؔ کے تشبیبیں تین طرح کی ہیں

۱۔ بہاریہ
۲۔ عشقیہ
۳۔ اخلاقی وحکیمانہ

سوداؔ کی تشبیبوں کا ایک بڑا حصہ بہاریہ ونشاطیہ مضامین پر مشتمل ہے سوداؔ نے اپنے نشاطیہ مزاج ،علوئے تخیل اور فنی کمال کے ذریعے ان مناظر پر اپنی انفرادیت کی چھاپ لگادی ہے۔سوداؔ کی بہار کی تشریح کشی سے زیادہ ان تصویروں میں اپنے مخصوص کوائف کے نقش مرتسم کرنے میں دلچسپی ہے۔بہار کی تصویریں حقیقی نہیں خیالی ہیں جو مبالغے کے سبب نہایت خوبصورت اور پراسرار معلوم ہوتی ہیں اور قصیدے کی تاثیر میں اضافہ کرتی ہیں۔تشبیب نگاری میں سوداؔ کی مہارت کا اندازہ ان تشبیبوں سے ہوتا ہے جن میں مکالماتی انداز اختیار کیا گیا ہے۔سوداؔ نے یہ مکالماتی انداز فارسی سے لیا ہے لیکن اسے ایسی دلکشی کے ساتھ پیش کیا ہے کہ اردو تو کیا بقول ڈاکٹر محمود الٰہی سوال وجواب کا ایسا دلکش انداز فارسی شاعروں میں بھی کم ملتا ہے۔عماد الملکؔ کے قصیدے میں سوداؔ نے خوشی کا سراپا جس طرح نظم کیا ہے وہ سراپا نگاری پر سوداؔ کی قدرت کا ثبوت ہے۔خوشی کا یہ سراپا کم وبیش چالیس اشعار پر مشتمل ہے۔ایک تشبیب میں عقل حرص کا مکالمہ،ایک میں حکایت نگاری کے انداز میں شعر گوئی وشعر خوانی کے متعلق نصیحتیں،ایک میں خرابیٔ زمانہ اور فلک کج رفتار کا شکوہ اور ایک میں فنِ طبابت کے اصول وقاعدے بیان کیے گئے ہیں۔

تشبیب کی ایک شرط یہ ہے کہ اس کے مضامین ممدوح کے مرتبہ اور حیثیت سے مناسب رکھتے ہوں تا کہ اس میں اور بعد کے مدحیہ اشعار میں معنوی تضاد نہ پیدا ہو جائے اس لئے امراء وسلاطین کے قصیدوں کی تشبیب میں عاشقانہ و رندانہ مضامین شامل کیے جا سکتے ہیں لیکن ائمہ و بزرگان دین کے قصیدوں کی تشبیب میں اس طرح کے مضامین مستحسن نہیں خیال کیے جا سکتے اکثر قصیدہ نگاروں نے اس اصول کو مدنظر رکھا ہے اس لئے سوداؔ کے تنقید نگاروں نے حضرت فاطمہؓ کے قصیدے کی عشقیہ تشبیب پر اعتراض کیا ہے۔انھوں نے نعتیہ ومنقبتیہ قصائد کی تشبیبوں میں عام طور پر اخلاقی وحکیمانہ مضامین نظم کیے ہیں۔اس کے لئے انھوں نے تشبیہ وتمثیل کو شعری وسیلے کے طور پر استعمال کیا ہے۔سوداؔ کے بعض قصیدے خطابیہ یعنی بغیر تشبیب کے ہیں۔تشبیب کے بعد قصیدہ کو کسی تقریب سے ممدوح کا ذکر چھیڑتا ہے۔اس کو گریز کہتے ہیں گریز کا کمال یہ ہے کہ تشبیب کہتے کہتے شاعر مدح کی طرف اس طرح گھوم جائے جیسے بات سے بات پیدا ہوگئی ہو برجستگی و بے ساختگی گریز کے لئے لازمی ہے۔سوداؔ نے گریز میں اپنی تخلیقی فطانت اور مہارت کا ثبوت دیا ہے۔سوداؔ نے گریز کے لئے نئے نئے طریقے اختیار کیے ہیں۔سوداؔ نے حضرت علیؓ کے قصیدے میں بہار کا ذکر کیا ہے پھر اپنے سخن کی دائمی بہار کا ذکر کرتے ہوئے اسے اپنے ممدوح کا فیض بتایا ہے۔اس گریز میں اتنی بے ساختگی وبرجستگی ہے کہ قاری کو گریز کا احساس تک نہیں ہوتا۔بعض قصیدوں کے گریز میں کس قدر طوالت سے کام لیا ہے آصف جاہ عماد الملکؔ کے ایک قصیدے کی تشبیب میں خوشی کی سراپا نگاری کے بعد ایک طویل مکالمے کے ذریعے گریز کیا گیا ہے اسی طرح امام کاظمینؔ کے قصیدے کی تشبیب میں عقل سے مکالمے کے ذریعے گریز کیا گیا ہے جو کئی اشعار پر مشتمل ہے۔غرضیکہ قصیدے کے اس حصہ میں سوداؔ نے اپنی فن کاری استادی اور قادرالکلامی کا ثبوت دیا ہے۔

قصیدے میں مدح کو مرکزی حیثیت حاصل ہے کیوں کہ یہی قصیدہ نگاری کا مدعا ہے پروفیسر قاضی افضال حسین نے قدامہ ابن جعفرؔ کے حوالے سے مدح کے موضوعات کی درجہ بندی کرتے ہوئے لکھا ہے کہ قصیدہ نگار ممدوح کی عدالت ،شجاعت،عقل اور عفت کی تعریف کرتا ہے سوداؔ نے امراء وسلاطین کی مدح میں ان کی شجاعت ودلیری،عدل وانصاف، جاہ وجلال،علم وتدبّر، جود وسخا اور ان کی مہمان نوازی کی تعریف کی ہے۔ممدوح کے ساز وسامان مثلاً تلوار،گھوڑے اور ہاتھی کی بھی تعریف کی ہے،بزرگانِ دین کے قصیدوں میں وہی خوبیاں گنائی ہیں جو ان کے شایانِ شان ہیں۔ان کی خدا ترسی دینِ پناہی،فیوض وبرکات، حسب ونسب ان کے مدفن اور آستانہ،عفت،قناعت،حرص کی کمی عفو درگزر،علم تقویٰ وغیرہ کی تعریف کی ہے۔تخیل کی نادرہ کاری،مبالغہ آمیزی،شوکت الفاظ ندرت وجدّت ادا،انوکھے تشبیہات واستعارات سے کام

لے کران میں جزالت ودلکشی پیدا کردی ہے، بقول شیخ چاند

''ان کا پورا سرمایہ مدح ومبالغہ سے بھرا پڑا ہے۔خیالی مضامین میں اوراس پر مبالغہ کا نہایت شوخ وتیز رنگ ہے۔یہ سوؔدا کی بدعت نہیں بلکہ یہ چیز اس کو فارسی سے ورثہ میں ملی''

حسن طلب اور دعا قصیدہ کی آخری منزل ہے اس میں بھی سوؔدا نے بڑی مہارت کا ثبوت دیا ہے دراصل قصیدہ اس لئے کہا جاتا ہے کہ قصیدہ گوممدوح کے سامنے اپنی غرض پیش کرے لیکن اس طرح اس کی فرمائش بارخاطر نہ ہو۔اس لئے قصیدہ نگاروں نے براہ راست عرض مدعا سے گریز کیا ہے اور اتنا کہہ کر کہ آپ کے قدموں میں جگہ ملی رہے بس یہی کافی ہے۔سب کچھ کہہ دیا ہے سوؔدا نے حسن طلب اور دعا میں تنوع پیدا کیا ہے۔سوؔدا نے ہر قصیدہ میں ازل تک ممدوح کی ترقی جاہ کے لئے دعا کرنے کے علاوہ اس کے دوستوں کو دعا اور دشمنوں کو بد دعا دی ہے۔

سوؔدا نے پچپن (۵۵) اشعار پر مشتمل ایک قصیدہ میں نواب شجاع الدولہؔ اور حافظ رحمت خاںؔ کے درمیان ۱۷۷۴ء کو ہونے والی جنگ کا بیان بڑی فن کاری کے ساتھ کیا ہے اس میں انھوں نے معرکہ آرائی کا سماں باندھ دیا ہے۔اس میں سوؔدا نے واقعہ نگاری کا کمال دکھایا ہے۔اس سے سوؔدا کے زمانے کے جنگی ساز وسامان اور فوجی حکمت عملی کا اندازہ ہوتا ہے۔

قصیدے کے چاروں اجزا تشبیب، گریز، مدح اور دعا کے علاوہ شوکت الفاظ اور مبالغہ بطور شعری وسیلہ اس تواتر کے ساتھ استعمال ہوئے ہیں کہ ان کے بغیر روایتی قصیدے کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا۔غالبؔ کو چھوڑ کر اردو کا کوئی قابل ذکر قصیدہ گو ایسا نہیں ہے جس کے قصیدے شوکت الفاظ اور مبالغہ کے حسن کے حامل نہ ہوں۔چنانچہ یہ دونوں قصیدے کے فنی معیار میں بنیادی اور لازمی اہمیت کے حامل ہیں دراصل پر شکوہ لہجہ اور الفاظ کی شان وشوکت کا دارومدار صوتی آہنگ پر ہے جو لاشعوری طور پر کلامِ شاعر میں ذہن شاعر کی مختلف کیفیات کی آئینہ داری کرتا ہے پروفیسر عتیق احمد صدیقی نے قصائد سودا کے قوافی کا صوتی تجزیہ کر کے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ شکوہ اور جزالت میں صوتی آہنگ کا بڑا دخل ہے لکھتے ہیں

''سوؔدا کا اصل کمال مشکل زمینوں کا استعمال نہیں بلکہ یہ کہ انھوں نے اصوات، الفاظ اور پر جوش خیالات میں وہ ہم آہنگی پیدا کی جس کا مجموعی تأثر قصیدے کے شکوہ کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے''

سوؔدا نے مدح کے ساتھ ہجو میں بھی وہ امتیاز حاصل کیا ہے کہ ان کا کوئی ہم عصر اس درجہ تک نہ پہنچ سکا جہاں انھوں

نے پر جوش اور ولولہ خیز مدحیہ قصیدے لکھے ہیں وہیں ہجو میں بھی بڑی بے باکی کا مظاہرہ کیا ہے۔ دراصل ہجو کے لئے نہ صرف ذہن کی براقی اور زبان کی مشاقی کی ضرورت ہوتی ہے بلکہ مزاج کی شگفتگی اور تخیل کی بلندی بھی درکار ہوتی ہے۔ اس میں ایسی ذہانت کی ضرورت ہوتی ہے جو خود بینی سے کام لے کر اشخاص، اشیاء اور سماج کے مضحک پہلوؤں کا ادراک کر سکے اور پھر اسے وسعت دے کر شوخ رنگوں میں پیش کر سکے ہجو گوئی ایک نازک فن ہے بقول پروفیسر عتیق احمد صدیقی

''ہجو گوئی تلوار کی دھار پر چلنے کا عمل ہے کہ پیرایۂ بیان میں لغزش ہوئی اور ہجو نگار
خود ہی اس کے دھار سے کٹ گیا''

سوداؔ نے اپنی زیادہ تر ہجویات میں رچے ہوئے اور توانا انداز و اسلوب سے کام لے کر چھوٹی بڑی خرابیوں کو اس خوبی سے پیش کیا ہے کہ قاری اس سے لطف اندوز ہوتا ہے۔ ہجویات سوداؔ میں ان ہجویات کی تعداد زیادہ ہے جو افراد کے خلاف ذاتی عناد کے سبب لکھی گئیں۔ ان میں وہ ہجویات بھی شامل ہیں جو مذہبی اختلاف کی بنا پر لکھی گئیں مذہبی تعصب نے سوداؔ کو اندھا کر دیا تھا جہاں کہیں کسی نے ان کے اعتقادات کو ٹھیس پہنچانے کی کوشش کی سوداؔ خم ٹھونک کر میدان میں اتر آئے اور اس کی ہجو لکھ دی ''قصیدہ در ہجو شخصے کے معتصب بود'' اور قصیدہ در ہجو مولوی ساجد'' میں یہی ہوا ہے سوداؔ نے کسی سے یہ سن لیا کہ شاہ ولی اللہؒ حضرت معاویہؓ کو پانچواں خلیفہ کہتے ہیں فوراً ان کے خلاف ہجو لکھ دی جس میں ان کے لئے نہایت رکیک اور فحش الفاظ استعمال کیے سوداؔ نے شاہ ولی اللہؒ کے علمی مرتبہ کو ذرا بھی دھیان میں نہیں رکھا۔ شخصی ہجویات میں سوداؔ کا لہجہ نہایت تند و تیز اور تمسخر بڑی سفاک ہے ان ہجوؤں میں جہاں مخالف کا نام آتا ہے وہاں کوئی ایسی صفت اس کے ساتھ ضرور جوڑ دیتے ہیں جس سے ان کی تذلیل و تحقیر ہو۔ غالباً ایسی ہجویات کے پیش نظر محمد حسین آزاد یہ لکھنے پر مجبور ہوئے کہ

''جب وہ بگڑ کر ہجو لکھنے پر آتے تو پھر شرم کی آنکھیں بند اور بے حیائی کا منھ کھول کر
وہ بے نقط سناتے تھے کے شیطان بھی امان مانگے''

ان شخصی ہجویات کے سلسلے میں ڈاکٹر ابو محمد سحرؔ کا قول فیصل اس طرح ہے کہ

''ذاتیات یا مذہبی اختلافات کی بنا پر جو ہجو یہ قصائد لکھے گئے ہیں ان کا مرتبہ بلند
نہیں ہے''

سوداؔ کی وہ شخصی ہجویات بہتر ہیں جن میں انھوں نے اپنے حریف کے ادبی و فنی اعتراضات کا جواب دیا ہے سوداؔ نے قطعہ کی ہیئت میں میر تقی میرؔ کی جو ہجو کہی تھی وہ کامیاب اور فن کارانہ تنز کی عمدہ مثال ہے نو اشعار کی اس ہجو میں میر کی اصلاحوں کو

سہوے کاتب کہہ کر تنز کیا ہے ۔کلّیات سوداؔ میں چھ ہجویات کا تعلق اخلاقی برائیوں سے ہے جن میں سے تین کا موضوع زیادہ عمر کے لوگوں کی شادی کرنے سے ہے ۔بخل کے خلاف ہجویات میں سے امیر دولتمند، بخیل والی ہجو یہ مثنوی میں سوداؔ نے بخل کے ایسے عجیب وغریب واقعات بیان کیے ہیں کہ قاری حیران رہ جاتا ہے۔

ہجویات سوداؔ کی ایک امتیازی خصوصیت یہ ہے کہ ان میں موضوع کی مناسبت سے الفاظ واصطلاحات استعمال ہوئی ہیں مثلاً اگر ہجو کا موضوع بخل ہے تو اس میں باورچی خانے کے الفاظ واصطلاحات یا کھانے پینے کی لفظیات کی کثرت ہوگی ۔اس طرح ہجو طفل لکڑی باز میں کشتی کی اصطلاحات اور ہجو حکیم غوث میں حکمت کی اصطلاحات نظم کی گئی ہیں ۔سوداؔ کی وہ ہجویات جن میں حالات زمانہ، معاشی ومعاشرتی اور تہذیبی زوال وانتشار کو موضوع بنایا گیا ہے ان کا ادبی مرتبہ زیادہ بلند ہے ۔مثنوی در ہجو ''شیدی فولاد خاں کوتوال'' قصیدہ در ہجو اسپ المسمی بہ تضحیک روزگار، قصیدہ شہر آشوب، مخمس ویرانی شاہ جہاں آباد وغیرہ اسی ذیل میں آتی ہیں ۔سوداؔ کے بیشتر محقق ونقاد ''تضحیک روزگار'' علامتی وتمثیلی رنگ میں دیکھتے ہیں اور اس کا موضوع مغل عسکری نظام اور سلطنت کا زوال قرار دیتے ہیں شیخ چاند لکھتے ہیں

> ''قصیدہ تضحیک روزگار میں بظاہر ایک گھوڑے کی ہجو ہے لیکن دراصل یہ فوجی نظام کی خرابی کا مرثیہ ہے''

پروفیسر عتیق احمد صدیقی اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں

> ''تضحیک روزگار میں اگر چہ ایک گھوڑے کی ہجو ہے لیکن اس کو علامت کے طور پر استعمال کیا گیا ہے کہ گھوڑا اس دور کے عسکری نظام کا بے حد جزو ہے اور اس لئے اس پردے میں پورے عسکری نظام کو ہدف بنایا گیا ہے ....اس قصیدہ کا عنوان تضحیک روزگار بجائے خود اس کا غماز ہے کہ سوداؔ کے سامنے ایک گھوڑا یا گھوڑسوار نہیں تھا بلکہ زوال میں مبتلا وہ حکومت تھی جو کچھ عرصہ پہلے زبردست قوت رہی تھی مگر جسے اب گھن لگ چکا تھا، جو خانہ جنگی میں مبتلا تھی ،جس کا مالی اور عسکری نظام تقریباً تباہ ہو چکا تھا''

اس کے طنزیہ پہلو کی قدر وقیمت کا تعین کرتے ہوئے آگے لکھتے ہیں

> تضحیک روزگار ان معدودے چند ہجویات میں ہے جن میں طنز کی یہ خصوصیات

بدرجہ اتم موجود ہیں اور اس اعتبار سے ان ہجویہ قصائد میں فنی اعتبار سے اسے سرِ فہرست رکھا جا سکتا ہے''

چھتیس بندوں پر مشتمل ''نجس ویرانی شاہ آباد'' کے ابتدائی پچیس (۲۵) بندوں میں امراء ونوابین کی معاشی بدحالی اور کسمپرسی کا بیان ہے اور آخری دس بندوں میں شاہ جہاں آباد کی ویرانی اور تباہی کا حال بڑے دردناک انداز میں بیان ہوا ہے۔ چھیانوے (۹۶) اشعار پر مشتمل ''قصیدہ شہر آشوب'' میں اس دور کی معاشی بدحالی کا منظر نامہ مرتب کیا گیا ہے۔ اس میں سوداؔ نے مختلف پیشہ وروں کی پریشانیوں کا حال الگ الگ بیان کیا ہے۔ سوداؔ نے ایک ایک شعر میں مختلف پیشہ وروں کی جدوجہد کا حاصل بڑی فنکاری سے طنز وتمسخر کے ساتھ بیان کیا ہے اس جائزے کے بعد ان معاشرتی، معاشی اور سیاسی ہجویہ قصائد کے متعلق ڈاکٹر ابو محمد سحرؔ کی یہ رائے درست معلوم ہوتی ہے

> ''لیکن ہجویہ قصائد میں انھوں نے اپنے زمانے کی سیاسی تنزلی اور معاشی بدحالی کا مضحکہ اڑایا ہے وہ اصلاحی مقاصد اور فن کے کامیاب نمونے ہیں.... چند شعروں کے ابتذال ورکاکت سے قطع نظر کر کے ان قصائد میں بالترتیب معاشرتی حالات اور نظام حکومت کی ابتری کی ظریفانہ انداز میں بڑی خوبصورتی سے ترجمانی کی ہے اور مبالغہ آرائی، تخیل آفرینی، جدت فکر اور ندرت ادا کی مدد سے ظرافت اور مذاق کا ایک خزانہ مہیا کر دیا ہے''

کلّیات سوداؔ کے مختلف نسخوں کے مطالعے سے سوداؔ کے ۹۱/ (اکیانوے) مرثیوں کا علم ہوتا ہے لیکن شیخ چاند کی تحقیق کے مطابق ان میں سے ۱۸/ (اٹھارہ) مہربان خاں رندؔ کے ہیں بعض منقبتی قصیدوں اور آلِ رسولؐ کے معترض کے خلاف ہجوؤں سے اندازہ ہوتا ہے کہ سوداؔ کو اہلِ بیت سے کس قدر عقیدت تھی سوداؔ نے اس گہرے تعلق اور عقیدت کو تخلیقی سطح پر برت کر مرثیے لکھے۔ ہر چند کہ سوداؔ کے مرثیوں کا محرک آلِ رسولؐ سے ان کی عقیدت ہے تاہم انھوں نے عقیدت کے بیان میں خلاقانہ وفنکارانہ تنوع سے کام لیا ہے۔ سوداؔ برائے گریہ عوام مرثیہ کہنے کے قائل نہیں تھے بلکہ وہ اس کی حسن کاری اور فن کاری کو لازمی خیال کرتے تھے گویا ان کے نزدیک جذبات نگاری، واقعہ نگاری، مکالمہ نگاری اور سیرت نگاری اچھے مرثیے کے امتیازات تھے اس لئے وہ مرثیہ کو مشکل ترین صنف خیال کرتے تھے کیوں کہ اس میں ایک ہی مضمون کو سو رنگ سے باندھا جاتا ہے۔ سوداؔ نے اظہارِ عقیدت کے پیرایوں میں تنوع کی غرض سے مرثیے میں مختلف ہیئتوں کو استعمال کیا۔ سودا

کے پہلے محقق ونقاد شیخ چاند نے ۱۱ ریختوں کی نشاندہی کی ہے۔

مرثیہ کے اجزائے ترا کیبی گرچہ میر ضمیر کے ہاتھوں متعین ہوئے لیکن سودا نے اپنے مرثیوں میں ان کے ابتدائی نقوش مرتسم کردیے تھے۔سودا نے تشبیہ،استعارہ،حسن تعلیل اور تضاد کو فنی حربہ کے طور پر استعمال کیا ہے۔ہر چند کہ سودا گریہ وزاری کے ذریعے حصول ثواب کو مرثیہ کا مقصد نہیں سمجھتے تھے لیکن ان کے مرثیوں میں غم انگیزی،رقت اور بین کے عناصر جابجا ملتے ہیں ان کے بعض مراثی تو سراپا بین ہیں سودا شہادت حسینؑ کے سبب آل رسولؐ کی کیفیات کا بیان کبھی خود کرتے ہیں کبھی کسی کردار کے ذریعے اور کبھی مکالموں کے ذریعے ان کی اندرونی کیفیات کو اجاگر کرتے ہیں۔اس طرح جذبات نگاری کے ابتدائی نقوش سودا کے یہاں جابجا ملتے ہیں۔سودا نے واقعہ نگاری کے بجائے کرداروں کی اندرونی کیفیات پر زیادہ توجہ صرف کی ہے اور اس میں بھی خاص طور پر خواتین کی جذبات نگاری پر دھیان دیا ہے۔ڈاکٹر قاضی افضال حسینؑ نے سودا کے مرثیوں کی قدر و قیمت کا تعین اس طرح کیا ہے

> ''سودا نے مرثیہ کو محض گریا وزاری کا وسیلہ بنانے سے گریز کیا ہے اور زبان و بیان کی مختلف جدتوں کے ذریعے اسے فنی اظہار کی سطح مرتفع تک بلند کیا۔اردو مرثیہ کی روایت کو یہ سودا کی عطا ہے''۔

کلیات سودا میں چھوٹی بڑی کل چوبیس (۲۴) مثنویاں ہیں۔سودا کی یہ مثنویاں تقریباً سات (۷) موضوعات پر مشتمل ہیں۔ہجو،مدح،اخلاق،ادبی تنقید،عشق،مناظر فطرت اور خط و کتابت۔گیارہ (۱۱) مثنویاں ہجویاں ہیں جن میں ہجو فیل،ہجو ضاحک،ہجو حکیم غوث،ہجو شیدی فولاد خاں کوتوال،ہجو فدوی،ہجو ہرزا فیضو شامل ہیں۔پانچ (۵) مدحیہ مثنویاں ہیں کم وبیش پانچ سو اشعار پر مشتمل ایک طویل واحد عشقیہ مثنوی ہے جس کا عنوان ''قصہ در عشق پسر شیشہ گر بہ زرگر پسر بطور ثاقی نامہ و دلگیر حکایت شیخ'' ہے۔اس عشقیہ داستان کی تفصیلات کے مطالعے سے اندازہ ہوتا ہے کہ سودا کو عشقیہ قصہ نظم کرنے سے کوئی مناسبت نہیں تھی اس کے باوجود اس مثنوی کے بعض مقامات و مناظر کا بیان نہایت عمدہ ہے۔قصہ در قصہ کی تکنیک پر مشتمل مثنوی دو حصوں میں بٹی ہوئی ہے۔پہلے حصے میں ایک درویش کا واقعہ بیان ہوا ہے شیخ کی شکل وصورت ،عادات واطوار اور تکلفات کے بیان میں سودا نے اپنی فطری خوش مذاقی اور طنز ملیح سے کام لیا ہے۔

سودا کی ہجویہ اور مدحیہ مثنویاں اس لئے متوجہ کرتی ہیں کہ سودا کی فطری خوش مذاقی اور شگفتگی کا مظاہرہ ہوا ہے۔مثنوی ''در تعریف چاہ مومنؑ'' میں مومنؑ کے کنوے کے پانی کا من وعن بیان سودا کا مقصد نہیں بلکہ اس کی ٹھنڈک اور شیرنی

کی تعریف مقصود ہے۔سوداؔ نے اپنی فطری خوش مذاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے یہ دکھایا ہے کہ چاہ مومنؔ کا پانی اتنا ٹھنڈا ہے کہ اس کے سبب برف فروخت کرنے والوں کا کاروبار ٹھنڈا پڑ گیا ہے اور وہ چاہ مومنؔ کے گرد اکٹھا ہو کر روتے ہیں کہ اس سے ان کی روزی روٹے کے لالے پڑ گئے ہیں۔اس میں مبالغہ سے ضرور کام لیا گیا ہے لیکن چونکہ اس میں سوداؔ کی فطری خوش مذاقی کی چھاپ ہے اس لئے طبیعت کو بھلا معلوم ہوتا ہے۔نواب آصف الدولہؔ کے شکار نامے میں بھی یہی صورتِ حال ہے۔اس میں سوداؔ کے مزاج کی شگفتگی اور خوش مذاقی نے مبالغے کے نئے نئے طریقے دریافت کیے ہیں۔سوداؔ نے دکھایا ہے آصف الدولہؔ کے شیر کے شکار کا شوق اور اس میں مہارت سے خوف کھا کر جن لوگوں کے نام شعر خاںؔ تھے انھوں نے اپنے نام بدل لیے اور جب نواب صاحبؔ شکار سے لوٹ کر خیمے داخل ہوئے تو قالین میں بنا ہوا شیر اٹھ کر بھاگ کھڑا ہوا،ظاہر ہے کہ یہاں بیان واقعہ کے بجائے مبالغہ سے کام لیا گیا ہے۔ان مثنیوں میں اساس خوش مذاقی و بزلہ سنجی اور لطف بیان ہیں۔

سوداؔ کا ایک مخصوص طریقہ کار ہے یہ کہ وہ موضوع کی رعایت سے ان کی مناسبت یکجا کر دیتے ہیں۔چاہ مومنؔ کی تعریف کرتے ہوئے ان تمام جگہوں کا ذکر کر دیا ہے جہاں پانی اکٹھا ہو سکتا ہے مثلاً کنواں،دریا،نالہ،ڈیرہ،تالاب وغیرہ۔اسی طرح درہجو طفل لکڑی باز میں کشتی کی اصطلاحات اور ہجو حکیم غوثؔ میں طب و حکمت کی اصطلاحات نظم کی گئی ہیں۔

مثنوی کی ہیئت کی سب سے بڑی خوبی یہ ہے کہ اس میں بیان واقعہ کی بڑی گنجائش ہوتی ہے۔سوداؔ نے اپنی ہجو یہ مثنیوں میں اس سے پورا پورا فائدہ اٹھایا ہے۔سوداؔ نے کم و بیش اپنی تمام ہجو یہ مثنویوں میں چھوٹے بڑے تمام واقعات نظم کیے ہیں جس سے شخص مقدوح کی تذلیل و تحقیر ہو سکے۔سوداؔ کی بعض مدحیہ مثنویوں میں قصیدے کی شان و شوکت پیدا ہو گئی ہے۔تشبیہ اور حسن تعلیل سوداؔ کے پسندیدہ وسائل ہیں ان مثنیوں میں بھی اس کی بعض عمدہ صورتیں نظم ہوئی ہیں۔

کلیاتِ سوداؔ میں رباعیوں کی تعداد اسّی (۸۰) ہے۔زیادہ تر رباعیوں کا موضوع اخلاق و معرفت اور عشق ہے۔جن رباعیوں میں اخلاق و معرفت کو موضوع بنایا گیا ہے ان میں بیان کی ندرت اور تنوع پایا جاتا ہے۔سوداؔ کی نکتہ آفرینی سب سے زیادہ ان کی رباعیوں کی تشبیہوں میں نمایاں ہے۔بعض اخلاقی مضمون کو نظم کرنے کے لئے سودا نے نہایت عمدہ تمثیل سے کام لیا ہے۔سوداؔ نے بعض رباعیوں میں تصوّف کے باریک اور پیچیدہ مسائل کے بجائے عام و مشہور تصوّرات کو پیش کیا ہے۔سوداؔ کی عشقیہ رباعیوں میں سے بعض میں محبوب کا سراپا اور اس کی صفات کا بیان ہے اور بعض میں کیفیات عشق کا۔خاطر نشان رہے کہ رباعی کے حسن کی اساس آخری مصرعے کی برجستگی و بلاغت پر ہے سوداؔ کی اخلاقی و عشقیہ

روباعیوں کے چوتھے مصرعوں میں خصوصیت بدرجہ اتم موجود ہے۔مختصر یہ کہ سوداؔ نے اپنی رباعیوں میں روایتی موضوعات سے بہت کم انحراف کیا ہے البتہ انداز بیان میں تنوع ضرور ہے۔

غالبؔ کی طرح سوداؔ کو بھی تنگنائے غزل کی شکایت ہمیشہ رہی اور وہ وسعت بیان کی جستجو میں رہے۔ان کے خیالات کا سیلاب ایک وسیع اور فراخ میدان کا تقاضہ کرتا تھا۔ نتیجے کے طور پر ان کے قصیدوں اور غزلوں میں کثرت سے قطعہ بند اشعار ملتے ہیں۔ہر چند کے قطعہ سوداؔ کی شعری ترجیحات کے لئے نہایت موزوں صنف تھی تاہم کلیات سوداؔ کے قطعات کے مطالعہ سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ سودا نے اس طرف خاطر خواہ توجہ نہیں دی اور اس صنف کو محض نوکری کی مجبوری یا تفنّن طبع کے طور پر استعمال کیا ہے۔سوداؔ کے بیشتر قطعات کا موضوع تہنیت ہے۔ہر چند کہ سوداؔ نے اخلاقی یا نوکری کی مجبوری کے تحت قطعات لکھے تاہم ان میں کہیں کہیں سوداؔ کی فطری ذہانت اور تخلیقی فطانت کی جھلک ضرور نظر آتی ہے۔سوداؔ کے قطعات کے تعین کے سلسلے میں ڈاکٹر جمیل جالبی کا یہ بیان نہایت موزوں معلوم ہوتا ہے لکھتے ہیں

> ''سوداؔ کے قطعات نہ صرف حسن بیان کی وجہ دلچسپ ہیں بلکہ ان میں خیال و موضوع کا تنوع ملتا ہے۔وہ ہجو یہ قطعات خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں جن میں استدلالی انداز سے سوداؔ نے کسی موضوع پر اظہار خیال کیا ہے۔یہ قطعے اردو ادب میں اندلال و منطق اور عقل و ادراک کی وہ مثال قائم کرتے ہیں جو انگریزی ادب میں ڈرائڈن کی اہم صفت شمار ہوتی ہے''

مختصر یہ کہ مرزا محمد رفیع سوداؔ نے اپنی تخلیقی فتانت، زبان کی مشاقی اور ذہن کی بّراقی سے کام لے کر ہر صنف سخن میں امتیاز پیدا کیا اور ہر صنف پر ایک بڑے پیش رو کی طرح دیر پا اثرات چھوڑے۔اس زمانے کے کسی ایک شاعر کے یہاں اس قدر متنوع اصناف پر یکساں قدرت نہیں ملتی۔سوداؔ کی ہمہ گیر مقبولیت میں اصناف کے اس تنوع کو بھی دخل ہوگا۔

مرزا محمد رفیع سوداؔ کی شاعری کا ایک امتیاز یہ بھی ہے کہ انھوں نے کثرت سے ایسے الفاظ، تراکیب، استعارات، علامت، تلمیحات، اصطلاحات استعمال کی ہیں جن سے ان کے کلام کی تفہیم وتدریس دشوار بلکہ بعض اوقات محال ہوجاتی ہے۔آج وہ علوم وفنون گرد آلود اور کرم خردہ کتابوں کے اوراق کے سینوں میں دفن ہوکر رہ گئے ہیں۔وہ دن دور نہیں کہ آنے والی نسلیں ان علوم وفنون سے یکسر نا آشنا رہ جائیں۔سوداؔ نے علوم وفنون کی اصطلاحات کو اپنی شاعری میں محفوظ کردیا ہے ان مصطلحات سے آج کا تعلیم یافتہ طبقہ بھی بے بہرہ ہے اس لئے کلّیات سوداؔ کا حصہ تشریح وتعبیر کے لئے مستند ومتداول لغات کی مدد سے فرہنگ کی ترتیب کی سخت ضرورت ہے

حواشی حوالے

۱۔ ڈاکٹر جمیل جالبی ۔تاریخ ادب اردو (جلد دوم حصہ دوم)ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی ۱۹۸۴ء صفحہ۔۶۸۷

۲۔ ڈاکٹر ابومحمد سحر۔اردو میں قصیدہ نگاری۔نسیم بک ڈپو ۱۹۸۹ء صفحہ۔۹۸

۳۔ مصحفی ۔تذکرۂ ہندی ۔مرتبہ مولوی عبدالحق ۔انجمن ترقی اردو اورنگ آباد ۱۹۳۳ء صفحہ۔۱۲۵

۴۔ مصحفی ۔عقد ثریا ۔مرتبہ مولوی عبدالحق انجمن ترقی اردو اورنگ آباد ۱۹۳۴ء صفحہ۔۳۳

۵۔ ڈاکٹر محمود الٰہی ۔اردو قصیدہ نگاری کا تنقیدی جائزہ مکتبہ جامعہ نئی دہلی ۱۹۷۳ء صفحہ۔۱۸۷

۶۔ ڈاکٹر ابومحمد سحر۔اردو میں قصیدہ نگاری۔نسیم بک ڈپو لکھنؤ ۱۹۸۹ء صفحہ۔۱۹

۷۔ شیخ چاند۔سوداؔ۔انجمن ترقی اردو اورنگ آباد ۱۹۳۶ء ۱۹۱

۹۔ ڈاکٹر ابومحمد سحر۔اردو میں قصیدہ نگاری۔نسیم بک ڈپو لکھنؤ ۱۹۸۹ء صفحہ۔۲۲

۱۰۔ قاضی افضال حسین مرزا محمد رفیع سودا۔ساہتیہ اکادمی دہلی ۱۹۹۰ء صفحہ۔۴۲

۱۱۔ شیخ چاند۔سوداؔ۔انجمن ترقی اردو۔اورنگ آباد ۱۹۳۶ء صفحہ۔۲۰۱

۱۲۔ پروفیسر عتیق احمد صدیقی ۔قصائد سودا۔شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۷۶ء صفحہ۔۶۳

۱۳۔ پروفیسر عتیق احمد صدیقی ۔قصائد سودا۔شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۷۶ء صفحہ۔۸۵

۱۴۔ محمد حسین آزاد۔آب حیات ۔اتر پردیش اردو اکادمی لکھنؤ ۱۹۸۶ء صفحہ۔۱۵۴

۱۵۔ ڈاکٹر ابومحمد سحر۔اردو میں قصیدہ نگاری،نسیم بک ڈپو لکھنؤ ۱۹۸۹ء صفحہ۔۹۸

۱۶۔ شیخ چاند۔سودا۔انجمن ترقی اردو۔اورنگ آباد ۱۹۳۶ء صفحہ۔۲۵۳

۱۷۔ پروفیسر عتیق احمد صدیقی ۔قصائد سودا۔شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۷۶ء صفحہ۔۶۷

۱۸۔ پروفیسر عتیق احمد صدیقی ۔قصائد سودا۔شعبۂ اردو مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۷۶ء صفحہ۔۶۹

۱۹۔ ڈاکٹر ابومحمد سحر۔اردو میں قصیدہ نگاری،نسیم بک ڈپو لکھنؤ ۱۹۸۹ء صفحہ۔۹۸

۲۰۔ قاضی افضال حسین ۔مرزا محمد رفیع سودا۔ساہتیہ اکادمی دہلی ۱۹۹۰ء صفحہ۔۹۴

۲۱۔ ڈاکٹر جمیل جالبی ۔تاریخ ادب اردو (جلد دوم حصہ دوم)ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس نئی دہلی ۱۹۸۴ء صفحہ۔۷۱۰

۲۲۔ نیازی محمد۔تلمیحات۔سمتا پرنٹنگ پریس لکھنؤ ۱۹۷۵ء
۲۳۔ نیازی محمد۔تلمیحات غالب ۔جمال پرنٹنگ پریس لکھنؤ ۱۹۷۲ء
۲۴۔ وحیدہ نسیم۔نسوانی محاورے۔سیما پریس دہلی۔ ۱۹۸۲ء
۲۵۔ وحیدالدین مولوی۔وضع اصطلاحات مطبع مسلم یونیورسٹی علی گڑھ ۱۹۳۱ء
۲۶۔ ہاشمی ڈاکٹر مسعود۔اردو لغت نویسی کا پس منظر۔جے.آر.آفسیٹ پرنٹرس دہلی ۱۹۹۸ء
۲۷۔ پروفیسر کلیم الدین احمد۔اردو شاعری پر ایک نظر (جلد اول) بک امپوریم سبزی باغ پٹنہ ۱۹۸۵ء صفحہ۔۱۶۸